مترجم :- پروفیسر وائی ۔ ایس ۔ طاہر علی

ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ کی کتاب

الموسوم بہ

فارسی شاعری کے ارتقاء میں عربی شاعری کا ہاتھ

ہمدوش عبارتیں

(پانچویں قسط)

زہیر کے اشعار سے ہرم بن سنان نے لافانی شہرت پائی ۔ خلیفہ عمر نے ایک دن زہیر کی بیٹی سے پوچھ لیا کہ "ان خلعتوں کا کیا حال ہے جو ہرم نے تمہارے ابّا کو دی تھیں"۔ لڑکی نے جواب میں کہا کہ "وہ سب زمانے کی دستبرد سے نہ بچ سکیں"۔ اُس پر خلیفہ بول اٹھے "لیکن زمانے کو ان خلعتوں پر کوئی دسترس نہیں ہے جو تمہارے ابّا نے ہرم کو دیں"۔ ؎۱

متقدمین عرب شعراء کبھی کسی کی تعریف نہ کرتے تھے جب تک کہ وہ شخص کوئی قابلِ ذکر کام نہ کرے اور مدح سرائی کی بھی کچھ قدر ہوا کرتی تھی ۔ کہا گیا ہے کہ کسی نے ایک روز سلامہ بن جندل سے پوچھا کہ وہ بنو تمیم کی تعریف کیوں نہیں کرتا ۔ اُس نے کہا کہ "پہلے وہ کچھ کر دکھائیں تو پھر میں اُن کی تعریف کروں" ؎۲ لیکن بہت جلد شعراء میں ایک گروہ پیدا ہو گیا جنہوں نے شاعری کو اپنا ذریعۂ معاش بنالیا ۔ ایسے شعراء دور دراز کے ملکوں میں جاکر وہاں کے حکمرانوں کے

؎۱ الاغانی جلد ۹ ص ۱۵۴ اور العمدۃ جلد ۱ ص ۵۰ ۔

؎۲ ثعالبی : خاص الخاص ص ۵۹ ۔

سامنے اپنے قصائد پڑھا کرتے تھے اور صلے میں انعامات وصول کرتے تھے۔ مثال کے طور پر نابغہ کو دیکھئے وہ سلطنت حیرہ کے لخمی بادشاہوں اور بالخصوص نعمان کا درباری شاعر ہوگیا۔ اہل عرب اُسے ناپسندگی کی نظر سے دیکھتے تھے [1] اگرچہ اُس کا کہنا تھا کہ وہ نیک بادشاہوں کی تعریف کرتا ہے:۔

وکنت امرءًا لا اُمدح الدھر سوقۃ فلست علی خیرٍ اُتاک بحاسد

(میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو بازاری لوگوں کی تعریف کرتے ہیں اور نہ مجھے تیری دولت پر کسی قسم کا حسد ہوتا ہے۔) [2]

اسلام لانے سے پہلے حسان بن ثابت لخمیوں اور غسانیوں کے دربار میں آیا جایا کرتے تھے اور انہوں نے اُن بادشاہوں سے انعام و اکرام بھی پایا تھا [3] اُمیّہ بن ابی الصلت ایک اور شاعر تھا جس کو نبوت کی تمنا تھی۔ وہ عبداللہ بن جدعان کی دامنِ عاطفت کا پروردہ تھا۔ عبداللہ مذکور نے اس کو دو گانے والی کنیزیں دیں جو الجرادتان کے نام سے مشہور ہیں [4] اعشےٰ پہلا شخص ہے جس نے شاعری کو دریوزہ گری بنایا۔ اس کا مشغلہ یہی تھا کہ وہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر جائے اور وہاں پر ہر قسم کے لوگوں کی تعریف میں کچھ کہے۔ عربستان میں آوارہ گردی کرتے ہوئے اُس کا دل سیر ہوگیا تو اس نے مدائن کا رخ کیا کیونکہ اُس نے کسریٰ کی جود وسخا کی باتیں سنی تھیں۔ لیکن وہاں اُس کی شاعری زیادہ بارآور ثابت نہ ہوئی بالخصوص جب کہ اس کے اشعار کا غلط مفہوم لیا جاتا تھا [5] حطیئہ تو اپنے مطالبات میں سفلگی کی حد کو پہنچ جاتا ہے [6]

ان وجوہات سے شعر گوئی کا فن اپنے بلند مقام سے گر گیا اور بقول سر چارلس لائل

---

[1] العمدۃ جلد ۱ ص ۴۹۔

[2] AHLWARDT دواوین ص ۹۔

[3] الاغانی جلد ۹ صفحات ۱۷۱، ۱۷۲؛ ابن قتیبۃ: الشعر والشعراء صفحات ۱۷۰، ۱۷۱

[4] الاغانی جلد ۸ ص ۲۔

[5] ابن قتیبۃ: الشعر والشعراء ص ۱۳۷ اور العمدۃ جلد ۱ ص ۴۹۔

[6] العمدۃ جلد ۱ ص ۵۰

"بادیہ نشینوں کی عالی حوصلگی اور حریت نے کبھی گوارہ نہ کیا کہ کوئی ایسی بات کہی جائے جو کسی میں موجود نہ ہو۔ لیکن اب دمشق اور بغداد میں درباریوں اور امیروں کی خوشامد میں شاعری صرف ہونے لگی" ۱ے اس سے ہماری مُراد یہ نہیں ہے کہ شعراء کی اگلی خصوصیت بالکل ختم ہوگئی اور نہ یہ کہ یہ شعراء خواہ وہ عرب ہوں یا غیر عرب صرف انعام واکرام ہی کے خاطر اپنے فن کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسے شعراء بھی ضرور تھے جو فن کے صحیح خدمت گذار تھے۔ جمیل قیس، عمر بن ابی ربیعہ اور کئی اور صرف غزل گوئی کیا کرتے تھے۔ دورِ عباسیّہ میں بھی گرچہ قصیدہ گوئی عروج پر تھی پھر بھی السیّد الحمیری اور ابی العلاء المعرّی جیسے نامور شعراء موجود تھے جنہوں نے کسی امیر کی خوشامد نہیں کی اور اپنے قلم کو ملوّث نہ ہونے دیا۔

اس کے برعکس ایرانی شاعری نے درباری فضا میں آنکھ کھولی تھی چنانچہ اس میں وہی فضولیات کی بھرمار ہونے لگی جو عربوں کی اصلی شاعری میں آگے چل کر پیدا ہوگئی تھیں۔ لیکن عرب شعراء کی یہ خوبی ہے کہ وہ ایسی مبالغہ آمیزیوں سے کام نہیں لیتے جو ایرانیوں کا اصل مزاج ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ عربوں نے ایرانیوں کے ماحول کے زیرِ اثر اس عادت کو اپنائی تھی۔ لیکن وہ پھر بھی اُمراء اور ممدوحین کی تعریف میں اتنے لب کشا نہیں ہیں۔ انہوں نے ممدوحین کی سپاہانہ بہادری اور دیگر اوصاف کو بلاشک دلکش اور پُرشکوہ الفاظ میں بیان کیا ہے۔ لیکن ایرانیوں نے تو انہیں اپنی خیال آفرینی سے آسمانوں تک پہونچا دیا۔ اُن کی باتوں سے بے دینی اور الحاد کی بو آنے لگی۔ ڈاکٹر پال ہارن نے اَوِستا کی چند مبالغہ آمیز باتوں کو عجیب وغریب مثالوں سے ثابت کرکے کہہ دیا ہے کہ "اِن سب باتوں میں ایرانیت کی بُو دباس ہے" مثلاً ملاحظہ ہو۔ دیومالاوالی کارا مچھلی سمندر کی چھوٹی چھوٹی لہر کو معلوم کرسکتی ہے! ایک گھوڑا رات کے گھُپ اندھیرے میں نو۹ میل کے فاصلے پر ایک بال کو دیکھ کر بتا سکتا ہے کہ یہ بال گردن کا ایال کا ہے یا دُم کا۔۔۔۔اسی طرح شاہنامہ کے بیان کے مطابق رَخشِ رستم ایک سیاہ چیونٹی کو دو میل کے فاصلے سے دیکھ سکتا ہے ۲ے

۱ے INTRODUCTION ANCIENT ARABIAN POETRY XVIII۔

۲ے Geschichte der Persischen Litteratur ص۱۸۰۔

تخیل کی ایسی قلابازیاں ایرانیوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھیں۔

حسب ذیل عربی اور فارسی کے مدحیہ اشعار ایک مشرقی مطلق العنان بادشاہ کی تصویر ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں جو دراصل ایک ناکام دیوتا کی شکل ہے :۔

الف ممدوح کو آفتاب سے اور ارکانِ دولت کو ستاروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ آفتاب کے طلوع ہونے پر ستارے ماند پڑجاتے ہیں :۔

الف نابغہ کہتا ہے [۱] :۔

الم تر انّ اللہ أعطاک سورۃ ترى کل ملک دونھا یتذبذب

(دیکھتے نہیں ہو ! کہ اللہ نے تمھیں کیا شان عطا کی ہے۔ اس کے آگے سارے شاہانِ جہاں لرزتے نظر آتے ہیں۔)

فإنّک شمس والملوک کواکب إذا طلعت لم یبد منھن کوکب

(تم آفتاب ہو اور شاہانِ عالم ستارے ہیں۔ جس وقت آفتاب نمودار ہوتا ہے تو کوئی بھی ستارہ چمکتا دکھائی نہیں دیتا [۲])

ب نصیب کہتا ہے [۳] :۔

ھو البدر والناس الکواکب حولہ وھل تشبہ البدرَ المضیئَ الکواکب

(وہ ماہِ شبِ چہاردہم ہے اور اُس کے اردگرد والے ستارے ہیں۔ بھلا ستاروں کی کیا مجال کہ وہ مہِ کامل کی برابری کریں)

ایرانی شاعروں میں [۴] قطران (وفات ۴۶۵ھ، ۱۰۷۲ء) نے اسی خیال کو مختلف

---

[۱] دواوین ص۵۔ ابن قتیبۃ : الشعراء والشعراء ص۵۷ اور دیوان المعانی : ص۱۸۔

[۲] نابغہ سے بھی پہلے کندہ کے ایک شاعر نے اس خیال کا اظہار کیا ہے وہ لخمی بادشاہ عمرو بن ہند کی شان میں کہتا ہے : ص۴ ب۔

تکاد تمید الارض بالناس إن رأوا لعمرو بن ھند عصبۃً وھو عاتب

ھو الشمس وافت یوم سعدٍ فأفضلت علی کل ضوءٍ والملوک کواکب

تشبیہیں دے کر ادا کیا ہے۔[۱]

خسروا میران کجا آرند دیدن روئے تو 　　 گرچہ ایمن باشد آنکو با تو در ایمان شود

(اے بادشاہ! امیروں کی کیا مجال ہے کہ وہ تیرے چہرے کو دیکھ سکیں گرچہ ہر وہ شخص جو تیرا حلیف ہے امن و امان میں ہے۔)

گرچہ روبہ بند و دستان بیشتر داند سزد 　　 چون بہ بیند شیر رابی بند و بی دستان شود

(اگرچہ لومڑی تمام مکر و فریب سے آگاہ ہے پھر بھی وہ شیر کو دیکھتے ہی تمام مکر و فریب بھول جاتی ہے۔)

درچہ شاہین کبوتر تیز باشد...... 　　 چون بہ بیند روی شاہیں خیرہ و لرزاں شود

(اگرچہ کبوتر کی ٹانگوں کی ایڑ بہت تیز ہوتی ہے پھر بھی وہ عقاب کو دیکھتے ہی کانپنے لگتا ہے اور اُس کی آنکھوں میں دھندلا آجاتا ہے۔)

درچہ انجم صد ہزار ست و یکی ہست آفتاب 　　 چوں برآید آفتاب انجم ہماں پنہاں شود

(اگرچہ تعداد میں ستارے دس ہزار ہوں اور آفتاب ایک ہی ہو پھر بھی آفتاب کے طلوع ہوتے ہی ستارے چھپ جاتے ہیں۔)

(ii) رشید الدین الوطواط (۵۷۸ھ / ۱۱۸۲ء) نے کہا ہے۔[۲]

اگر ملوک ز تیغت نہاں شدند بلی 　　 ز آفتاب شوند اختران نہاں یکسر

(اگر تیری تلوار سے شاہان روپوشی ہو جائیں تو بجا ہے ستارے بھی آفتاب کو دیکھ کر روپوش اختیار کر لیتے ہیں)

(iii) ظہیر فاریابی (متوفی ۵۹۸ھ / ۱۲۰۱ء) کہتا ہے۔[۳]

یک یک ز بیم خنجر خورشید اختران 　　 ہمچون مخالفان شہنشہ شدند گم

---

[۱] دیوان قطران ص۳۳ ب۔

[۲] دیوان رشید ص۵۱ ب۔

[۳] دیوان ظہیر ص۴۸ ؛ مجمع ؛ ص۱۳۹ الف۔

(آفتاب کے نکلنے کے خوف سے ایک ایک ستارہ ایسا غائب ہوتا ہے جیسے کہ بادشاہ کے دشمن غائب ہوتے ہیں)

اسی کے مانند ایک اور خیال ہے کہ ممدوح کے جلوے سے یا ممدوح کے قہر و غضب سے دشمن کے دل میں ایسا خوف طاری ہوتا ہے کہ ان کی اولاد جو ابھی رحم مادر میں ہیں کانپنے لگتی ہیں۔ اس خیال کو وضاحت سے بیان کرنے میں سوءِ ادب مانع ہے۔

ب: ممدوح تمام اچھائیوں کا مالک ہے۔ وہ ایک بڑی کائنات ہے جس میں کئی چھوٹے چھوٹے عالم بسے ہوئے ہیں۔

الف۔ ابو نواس (متوفی ۱۹۹ھ، ۸۱۴ء) فضل بن ربیع کی مدح میں کہتا ہے[1]:۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

(خدا کے لئے یہ کوئی بڑی بات نہیں کہ وہ ساری دنیا کو (یعنی خوبیوں کو) ایک شخص میں مجتمع کردے۔)

ب۔ الناشی (متوفی ۹۰۶ء) نے حضرت علیؑ کی مدح میں یہ شعر کہا ہے[2]:۔

وغیر بدع ان یری عالما رکبه الخالق فی عالم

(دیکھنے میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک عالم شخص میں ساری دنیا کو سمو دے)

ج۔ المتنبی (متوفی ۳۵۴ھ، ۹۶۵ء) نے اسی خیال کو کئی طرح سے ادا کیا ہے۔ ہم

---

[1] دیوان ص ۸۷، اِبانۃ ص ۲۹، یتیمہ ج ۱ ص ۱۰۲ اس شاعر نے الامین کی تعریف میں کہتا ہے:۔ کانما انت شیئ حوی جمیع المعانی۔ جریر کے مشہور شعر نے اس کے دماغ میں یہ بات پیدا کی ہے:۔

إذا غضبت علیک بنو تمیم
حسبت الناس کلهم غضابا

[2] اِبانۃ ص ۲۹۔

صرف ایک مثال دینے پر اکتفا کرتے ہیں[۱]۔

ھدیۃ ما رأیت مھدیھا الّا رأیت الانام فی رجل

(یہ بخشش ہے۔ جب میں نے بخشش کنندہ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ تمام نوع انسانی ایک شخص میں سمائے ہوئے ہے۔)

اب ہم ایرانی شعرا کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس خیال کو سب سے پہلے عنصری (متوفی ۴۳۱ھ / ۱۰۴۰ء) نے ادا کیا ہے[۲]

گرش بتانی دیدن ہمہ جہانست او برایں سخن ہنرو فضل اوست گوا

(اگر تو دیکھ سکتا ہے تو وہ تجھے ساری دنیا دکھائی دے گا۔ اس کی صلاحیت اور فضیلت دونوں اس بات کی گواہی دیتے ہیں)

کس از خدای ندارد عجب اگر دارد ہمہ جہانرا اندر تنی ہمہ تنہا

(تعجب کی کوئی بات نہیں اگر اللہ جل شانہٗ ساری کائنات کو ایک فرد میں مجتمع کر دے)

(۱۱) ابو تمّاس اسفہانی (ایک سلجوقی شاعر) نے کہا ہے[۳]:۔

ازان کہ عالمی نہ یک شخصی ہنوز مدت عالم نیا مدست بسر

(تو ایک فردِ واحد نہیں ہے بلکہ تو ساری کائنات ہے۔ اسی وجہ سے اس دنیا کی مدّت ختم نہیں ہوتی۔)

---

۱ یتیمۃ ج ۱ صفحات ۱۰۲ اور ۱۳۹ نیز ص ۳۷ جہاں الثلامی شاعر نے متنبی کے مذکورہ بالا شعر کے تتبع میں کہا ہے:۔

فبشرت اٰمالی بملک ھو الوری ودار ھی الدنیا ویوم ھو الدھر

اور علی بن جبلہ نے ابو دلف کی تعریف میں کہا ہے (ابن قتیبہ: الشعر والشعراء ص ۵۵):۔

انما الدنیا ابو دلف۔ بین مغزاہ ومحتضرہ فاذا ولّی ابو دلف۔ ولّت الدنیا علی اثرہ

۲ دیوان۔ تہران چھاپہ۔

۳ دیوان انوری۔ تہران چھاپہ۔

اور (iii) انوری نے اسی خیال کو کئی طرح سے متنبی کے طرز پر ادا کیا ہے[1] مثلاً۔

تو جہان کاملی اندر جہان مختصر   ہفت اقلیمت کہ باقی باد ہفت اندام تو

(اے ممدوح! تو ایک کامل جہان ہے جس میں یہ چھوٹی سی دنیا سمائی ہوئی ہے۔ تیرے سات اعضاء سات اقالیم ہیں[2] خدا اُنہیں تندرست رکھے!)

اسی سے اخذ کیا ہوا دوسرا خیال ہے کہ ممدوح سارے جہان کے مانند ہے اور اگر کوئی حریف مقابلہ پر آتا ہے تو وہ اُس کو پسپا کرنے کے لئے اکیلا ہی کافی ہے۔ اُسے فوج کی مدد نہیں چاہیئے۔

الف۔ ابوتمام (۱۹۰ھ تا ۲۳۱ھ، ۸۰۶ء تا ۸۴۶ء) کہتا ہے[3]:۔

ثبت المقام یری القبیلة واحداً   ویری فیحسبه القبیل قبیلا

(وہ پامرد ہے۔ سارے کنبے کو آواز بلاتا ہے۔ اور اُس کے کنبے کے تمام افراد ایک کنبہ سمجھتے ہیں۔)

ب۔ ابن المعتز (۲۴۷ھ تا ۲۹۶ھ، ۸۶۱ء تا ۹۰۸ء) اپنی خود تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے:۔

انا جیش اذ غدوت وحیداً   ووحید فی الجحفل الجرار

(میں جب تنہا لڑتا ہوں تو ایک لشکر جرار معلوم ہوتا ہوں۔ میں ایک بڑے لشکر میں یگانہ ہوں[4])

ج۔ متنبی (متوفی ۳۵۴ھ، ۹۶۵ء) نے سیف الدولہ کی مدح میں کہا ہے[5]:۔

فلما راوه وحده دون جیشه   دروا ان کل العالمین فضول

(جب لوگ اس کو فوج کے مقابلے میں اکیلا دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ دنیا کے سب لوگ بے کار ہیں)

---

[1] مجمع ص ۱۴ الف

[2] یعنی سر، سینہ، پیٹ، دو ہاتھ اور دو بازو یا سر، دو ہاتھ، دو پہلو اور دو پاؤں۔

[3] دیوان ص ۲۴۴؛ دیوان المعانی ص ۳۴ الف

[4] دیوان ص ۳۱۳۔   [5] دیوان ص ۱۱۹

د- ابو فراس (متوفّی ۹۶۸ء) نے عبد اللہ بن طاہر کی مدح میں کہا ہے[۱]:-

الی رجل یلقاك فی شخص واحد ولکنّه فی الحرب جیش عرمرم

(ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں جو تجھے فردِ واحد معلوم ہوتا ہے مگر وہ میدانِ کارزار میں ایک لشکر جرّار معلوم ہوتا ہے۔)

ایرانی شاعر رودکی (متوفّی ۳۲۹ھ / ۹۴۱ء) نے بقول سمعانی اسی تشبیہ کو استعمال کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:-

باصد ہزار مردم تنہائی بی صد ہزار مردم تنہائی

(دس لاکھ آدمیوں کے ساتھ تو بے مثل ہے اور دس لاکھ آدمیوں کے بغیر بھی تو اکیلا کافی ہے۔)

یہاں الفاظ کے اختصار کی وجہ سے شعر کے معنی بالکل واضح نہیں ہے۔ رودکی کا مطلب یہ ہے کہ ممدوح لوگوں کے ہجوم میں اپنی فہم و فراست کی وجہ سے ممتاز معلوم ہوتا ہے اور وہ تنِ تنہا کافی ہے۔ اُسے اُن کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عنصری کا مطلب بالکل صاف نظر آتا ہے گرچہ اس نے اس خیال کو رودکی سے لیا ہے۔ عنصری اس خیال کو اپنا کہہ سکتا ہے۔ حالانکہ پیشرَو ہونے کی فضیلت رودکی کو حاصل ہے[۲] عنصری کا شعر ہے:

اگرچہ تنہا باشد ہمہ جہان باوست وگرچہ با او باشد ہمہ جہان تنہا ست

(اگرچہ وہ تنہا ہی ہو مگر ساری دنیا اُس کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس میں تمام انسانوں کی خوبیاں موجود ہیں۔ اور اگر ساری دنیا بھی اُس کے ہمراہ ہو تب بھی وہ بذاتِ خود بے مثل و بے مثال ہے۔)

اسی شاعر نے یہی خیال اور بھی بہتر طریقے سے ادا کیا ہے۔ وہ کہتا ہے[۳]:-

---

[۱] دیوان ص۱۱۔

[۲] المعجم ص۳۴۵۔

[۳] دیوان عنصری تہران کا چھاپہ۔

میان صد حشر اندر بفضل تنہائی   دگرچہ تنہائی زفضل با حشری

(سیکڑوں جماعتوں میں تو اپنی فضیلت کی بنا پر یگانہ ہے ۔ اور جب تو اکیلا ہوتا ہے تو اپنی فضیلت کی وجہ سے باگروہ معلوم ہوتا ہے ۔)

ظہیر فاریابی (متوفی ۵۹۸ھ، ۱۲۰۱ء) نے مذکور الصدور عرب شعراء کی فوج والی تشبیہ لے کر کہا ہے[۱]:-

واندہمگنان کہ تو تنہا بذات خویش   صد لشکری چو روی بکافر نہادۂ

(تیرے ساتھی جانتے ہیں کہ جب کافروں پر حملہ کرنے کے لئے جاتا ہے تو تو بذات خود سیکڑوں سپاہی جیسا معلوم ہوتا ہے ۔)

اسی شاعر نے اپنی علمیت کا ڈنکا بجاتے ہوئے کہا ہے[۲]:-

گرچہ یک شخصم از رہ صورت   دارم از علم لشکر جرار

(گرچہ شکل وصورت میں ایک فرد ہوں لیکن میرے پاس علم کا بے پایاں لشکر ہے)

ج۔ ممدوح ایک نرالے سانچے میں ڈھلا ہوا شخص ہے ۔ وہ ایک انسان ہے لیکن قدر و قیمت میں سب سے بالاتر ہے ۔ شاعر اپنی قوت متخیلہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ جزو کل سے زیادہ بڑا ہے ۔

الف ۔ متنبی (متوفی ۹۶۵ء) کہتا ہے[۳]:-

---

[۱] دیوان ظہیر ص ۷۷ ب ۔

[۲] 〃 〃 ص ۴۰ الف ۔

[۳] دیوان تصحیح ڈی ایڑی سی ص ۳۹۴؛ یتیمۃ ج ۱ ص ۹۳ ۔ متنبی نے اسی خیال کو کئی طرح سے ادا کیا ہے ۔ مثال کے لئے دیکھئے یتیمۃ ج ۱ ص ۹۴ ۔ فإن فی الخمر معنیً لیس فی العنب ۔ یعنی "جو بات شراب میں ہے وہ انگوریں کہاں" ۔ البستی کو یہ نکتہ متنبی سے ہاتھ لگا چنانچہ وہ کہتا ہے:-

ابوک حوی العلیا وانت مبرز   علیہ اذا نازعتہ قصب المجد

باقی اگلے صفحہ پر

فإن تفق الانام وانت منهم   فإن المسک بعض دم الغزال

(اگر تو بنی نوع انسان میں فوقیت رکھتا ہے حالانکہ تو ان ہی میں سے ہے تو کوئی عجب جیسی بات نہیں ہے! کیونکہ مشک گرچہ ہرن کے خون کا ہی حصہ ہے پھر بھی اپنے خون سے بہتر ہے۔)

اس خیال آفرینی کو ایرانی شعراء نے بہت پسند کیا ہے۔ اس کی وضاحت ذیل کی مثالوں سے ہو جاتی ہے:۔

(i) عنصری (متوفی ۴۳۱ھ / ۱۰۴۰ء) کو کہتا ہے[۱]:۔

تو ای شاہ ارز جنس مردمانی   بود یاقوت نیز از جنس اشجار

(اے بادشاہ! اگر تو بنی نوعِ انسان سے ہے تو کوئی حرج نہیں۔ یاقوت بھی درختوں کی ایک جنس ہے[۲] لیکن وہ درختوں سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔)

(ii) انوری متوفی ۵۸۷ھ / ۱۱۹۱ء) کہتا ہے[۳]:۔

پچھلے صفحہ سے آگے۔

(تیرے باپ نے بلند مقام حاصل کیا۔ لیکن تو اس سے بھی آگے نکل گیا جب تو نے اُس کا مقابلہ کیا)

وللخمر معنی لیس فی الکرم مثله   وفی النار نور لیس یوجد فی الزند

(شراب میں جو خوبی ہے وہ انگور میں نہیں تھی۔ اور آگ میں جو روشنی ہے وہ چقماق میں کہاں ہے)

متنبی پھر کہتا ہے:۔

وما انا منهم بالعیش فیهم   ولکن معدن الذهب الرغام

انوری نے اسی خیال کا اظہار ذیل کے شعر میں کیا ہے:۔

خود خراب آباد گیتی نیست جای تو ولیک   گنجہا ننہند ہرگز جز کہ در جای خراب

[۱] دیوان تہران والا چھاپہ۔

[۲] یاقوت کی کئی قسمیں ہوتی ہیں جو رمانی وردی وغیرہ کہلاتی ہیں اسی وجہ سے یاقوت کو درختوں کی جنس سے بتایا گیا۔

[۳] دیوان انوری تہران کا چھاپہ۔ انوری اِس تشبیہ کو بار بار اپنے قصائد میں لاتا ہے مثلاً:

الف۔ ای جہان لفظ و تو دران معنی   ہم از ویش وہم بدو اندر

(باقی اگلے صفحہ پر)

در جہانی و از جہاں بیشی　　ہمچو معنی کہ در بیان باشد

(تو دنیا میں ہے پھر بھی دنیا سے بالاتر ہے تو اُس خیال کے مانند ہے جو الفاظ میں پوشیدہ ہے)

(iii) قطران متوفی ۴۶۵ھ، ۱۰۷۲ء کہتا ہے[1]

پچھلے صفحہ سے آگے:

(دنیا لفظ ہے اور تو اس میں معنی کا درجہ رکھتا ہے۔ تو اس سے بہتر ہے پھر بھی اس کے اندر ہے)

ب۔　تو بیش از عالمی گرچہ دردئی　　چون علم معنوی در لفظ ابتر

(تو دنیا میں بہتر ہے گرچہ تو اس دنیا میں ہے۔ تو اُس پوشیدہ خیال کے مانند ہے جو ایک ٹوٹے پھوٹے لفظ میں ہے)

ج۔　تو بیش از عالمی گرچہ وردئی　　چون رمز معنوی در کسوت زور

(تو دنیا سے بہتر ہے گرچہ تو اس دنیا میں ہے۔ ایک نادر خیال کے مانند جو بظاہر الفاظ کا جامہ پہنے ہوئے ہو۔)

ان تمام اشعار میں متبنی کے حسب ذیل اشعار کی جھلکیاں ہیں۔ بلکہ ہُو بہُو ان اشعار کا ترجمہ معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً:

الناس مالم یروک اشباہ　　والدھر لفظ وانت معناہ

(دنیا والے جب تک تمھیں نہ دیکھیں ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں زمانہ ایک لفظ اور تم اُس کے معنی ہو۔)

ولولا کونکم فی الناس کانوا　　ھراءً کالکلام بلا معانی

(اور اگر تمھارا وجود دنیا والوں میں نہ ہو تو سب کے سب ایسے معلوم ہوں کہ گویا ایک غلط بیان ہے جو لغو اور بے معنیٰ ہے۔)

د۔　بہ از جہان بجہان در اگر کسی باشد　　تو آن کسی کہ از و بیشی و بدو اندر

(اگر دنیا میں کوئی فرد ہو جو دنیا سے بہتر ہو۔ تو وہ تُو ہی ہے کہ دنیا سے بہتر ہے گرچہ دنیا کے اندر ہے۔)

[1] دیوان قطران ص ۲۳۷ ب)

جہان عزیز ہم از تست گرچہ زوئی تو   صدف عزیز بدرست گرچہ زوست درر

(دنیا کی عزت تیری وجہ سے ہے گرچہ تو اُسی دنیا کا ایک حصہ ہے۔ سیپ کی عزت یا قیمت موتی کی وجہ سے ہے اگرچہ موتی اُسی میں پیدا ہوتا ہے۔)

(۱۷) معزی متوفی ۵۴۲ھ ، ۱۱۴۷ء کہتا ہے[1]:۔

درجہانی تو ولیکن زجہان قدر تو بیش   راست گویم کہ جہاں صدف است و تو گہر

(تو دنیا میں ہے لیکن تیری قدر و منزلت دنیا سے بڑھ کر ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ دنیا سیپ ہے اور تو موتی ہے۔)

(۷) حسن بن علی الشہابی (جو ارسلان شاہ ---- اول یا دوم کا مدح گو ہے) کہتا ہے[2]:۔

گرچہ بر روی زمینی از فلک اعلیٰ تری   گرچہ در ملک جہانی از جہانی بیشتر

(اگرچہ تو روئے زمین پر ہے مگر تو رتبے میں آسمان سے بلند ہے۔ اگرچہ تو دنیا میں ہے لیکن ساری دنیا سے بڑھ کر ہے)

(۷۱) رشید متوفی ۵۷۸ھ ، ۱۱۸۲ء کہتا ہے[3]:۔

در شرف بیشی ز عالم گرچہ ہستی اندرو   نہ لآلی در صدف باشد جواہر در حجر

(عزت و احترام میں تو دنیا سے بڑھ جاتا ہے اگرچہ تو دنیا ہی کا باشندہ ہے۔ کیا موتی سیپ میں نہیں ہوتے ہیں یا ہیرے پتھروں میں نہیں ملتے ہیں؟[4])

۱؎ دیوان معزی ص ۲۸۵ ب۔ ایک اور جگہ (دیوان ص ۱۵۷) پر وہ کہتا ہے:۔

تو اندر جہانی و بیش از جہان   چنان کز صدف بیش باشد گہر

۲؎ مجمع ص ۹۷ الف

۳؎ دیوان رشید ص ۶۲ الف

۴؎ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رشید نے یہ خیال الخوارزمی کے حسب ذیل اشعار سے مستعار لیا ہے۔ الخوارزمی نے خود متنبی کے مذکورہ بالا اشعار سے نقل اتاری ہے (یتیمہ ج ۱ ص ۹۳)

وانك منهم وكذاك ايضاً ٭ من الماء الفرائد واللآلی ٭ وتسكن دارهم وكذاك سكنى ٭ الحجارة والزمرد فی الجبال

مذکورہ خیال کا ایک شوشہ یہ ہے کہ شعراء ممدوح کو ایک مالا کا بیچ والا موتی یا ہیرا تصور کرتے ہیں اور دیگر امراء اور رؤساء کو اُسی مالا کے منکے سمجھتے ہیں۔

الف۔ ابوعبیداللہ احمد بن محمد الجہینی نے خلیفہ المتوکل ۲۴۷ھ تا ۸۶۱ء کی مدح میں کہا ہے [۱]۔

ولما رأك الناس وحدك ايقنوا بأنك بين الناس واسطة العقد

(جب لوگوں نے تجھ کو دیکھا تو ان کو یقین ہو گیا کہ تو اہل جہاں میں مالا کا بیچ والا موتی ہے)

ب۔ متنبی اسی تشبیہ کو کام میں لاتا ہے لیکن وہ اُسے ایک مختلف شکل میں پیش کرتا ہے [۲]:۔

ذكر الأنام لنا فكان قصيدة كنت البديع الفرد من ابياتها

(ہم کو تمام انسان گنائے گئے۔ وہ سب ایک قصیدے کے مانند معلوم ہوئے۔ لیکن تو ابیات قصیدہ میں بیت الغزل یعنی ایک انوکھا اور بے مثل شعر تھا)

اِن سب شاعروں سے بہت پہلے ابونواس (متوفی ۱۹۹ھ ، ۸۱۴ء) اس تشبیہ کو خلیفہ بنی عباس ہارون کے بیٹے الأمين (۸۰۹ تا ۸۱۲ء) کی مدح میں لے آیا ہے۔ وہ کہتا ہے [۳]:۔

اذا بنو العباس عد حصاهم فمحمد ياقوتها المستخلص

(اگر تمام بنی عباس کو کنکریاں سمجھا جائے تو محمد (یعنی امین) اُن کنکریوں میں ایک پاکیزہ یاقوت ہے)

سابقہ خیال کے مانند یہ خیال بھی ایرانی شاعروں کے لئے دلپذیر تھا۔

(۱) رودکی (متوفی ۳۲۹ھ ۹۴۱ء) کہتا ہے [۴]:۔

بزرگانِ جہان چون گرد بستدن تو چون یاقوت سرخ اندر میانہ

(دنیا کے بلند مرتبت لوگ ایک مالا اور تو اُس مالا کا سرخ یاقوت ہے)

۱ء ابانۃ: ص۷۷۔

۲ء دیوان: ص۲۸۳، یتیمۃ ج ۱ ص۱۳۶۔

۳ء دیوان: ص۱۱۳۔

۴ء لغایت فوس: ص۳۰۳۔

(iii) العطاردی (محمود غزنوی ۹۹۸ء - ۱۰۳۰ء کا قصیدہ گو) نے کہا ہے[۱]:-

ملک قلادہ است واو میان قلادہ زین نگیرد قلادہ جز بمیانہ

(ملک ایک قلادہ ہے اور وہ اُس قلادہ کا بیچ والا لٹکن ہے۔ قلادہ کی کوئی خوبی نہیں ہوگی اگر اس میں بیچ والا لٹکن نہ ہو۔)

(iii) منوچہری (متوفی ۴۳۰ھ ۱۰۳۸ء) کہتا ہے[۲]:-

بزرگان ہمچو قلادہ خرزند تو ہمچو یاقوت اندر میان خرزی

(بڑے لوگ منکے کی مالا کے مانند ہیں۔ تو منکوں کی مالا میں یاقوت ہے۔)

(iv) قطران (وفات ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) کہتا ہے[۳]:-

تو چون میانہ و دیگران ہمہ چو درر تو چون فذالکی و دیگر ہمہ چو شمار

(تو بیچ میں لٹکنے والا ہیرا ہے جب کہ اور موتیوں کے مانند ہیں۔ تو جملہ حساب ہے[۴] اور دوسرے سب گنتی کے عدد ہیں۔)

۱۔ لباب: جلد ۲ ص ۵۷۔

۲۔ دیوان: ص ۱۴۸۔

۳۔ دیوان: ص ۷۰ الف۔ دوسرا مصرعہ متبنی سے لیا گیا ہے:-

لقیت کل الفاضلین کانما رد الالہ نفوسھم والاعصرا

نسقوالنا نسق الحساب مقدما واتی فذالك اذا تیت موخرا

(میں تمام فضلائے متقدمین سے ملا جب کہ تجھ سے ملاقات ہوئی گویا اللہ تعالیٰ نے اُن سب کو اور اُن کے زمانوں کو لوٹا دیا ہے وہ بالترتیب حساب کی مختلف رقمیں تھیں اور اُن سب کی کل رقم تعداد اس وقت ہوئی جب تو آخر میں پیدا ہؤا۔

۴۔ لفظ فذالك کو رودکی نے بھی اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو شعوری کا لسان العجم جلد ۲ ص ۲۰ ب)

جہان خوش است ولیکن زوال مالک اوست بقا خوش است ولیکن فنا فذالک اوست

د۔ ممدوح برسات کی مانند ہے جس سے افسردہ اور پژمردہ پودوں میں جان پڑجاتی ہے پودوں سے شعراء کی یا رعایا کی تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ تشبیہ قدیم شاعری میں بہت عام پائی جاتی تھی۔ ایک عالی نسب اور فیاض سردار کو بسا اوقات بحرِ بے پایاں سے تشبیہ دی جاتی تھی اور اس کے ہاتھوں کو موسم بہار کے بادلوں کے مشابہ بتایا جاتا تھا جو خشک زمین کو زرخیز کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر زہیر کے حسب ذیل شعر جو ہرم بن سنان کی تعریف میں لکھا گیا ہے قابل غور ہے[1]۔

أليس بفيّاضٍ يداه غمامة ثمال اليتامى فى السنين محمد

(کیا وہ فیاض نہیں ہے! اس کے دونوں ہاتھ برستے ہوئے بادل ہیں وہ یتیموں کا ملجا اور ماویٰ ہے اور خشک سالی میں قابل ستایش ہے)۔

نیز نابغہ کا یہ شعر جو نعمان کی تعریف میں کہا گیا ہے (دواوین ق ۱۷، سطر ۳۱) ملاحظہ ہو:

وانت ربيع ينعش الناس سيبه الخ

(تو ابرِ بہار ہے جس کے فیض و کرم سے انسانوں میں ایک جان پیدا ہو جاتی ہے)

دورِ عباسیہ کے متقدمین شعرا نے اس تشبیہ سے بہت کام لیا ہے۔ چنانچہ یہاں بشّار (متوفی ۱۶۷ھ-۷۸۳ء) کا نام بتا دینا کافی ہوگا قبیلہ قیس کی سخاوت کی تعریف میں وہ کہتا ہے[2]:-

كأنّ الناس حين تغيب عنهم بنات الارض اخطأه قطار

(جب تو لوگوں سے غائب ہو جاتا ہے تو لوگ گویا زمین کی گھاس کے تنکے ہیں جنہیں پانی نہیں ملا ہے۔)

---

[1] دواوین؛ ص ۸۰۔

[2] اغانی: جلد ۳ ص ۲۱۔ متنبی نے بشار کی تقلید ذیل کے اشعار میں کی ہے۔ (المثل السائر ص ۷۷ ؎:-)

اين ازمعت ايهذا الهمام نحن بنت الربى وانت الغمام

باقی اگلے صفحہ پر

رودکی (متوفی ۳۲۹ھ، ۹۴۱ء) اپنے ممدوح کے بارے میں کہتا ہے[۱]:۔

مرا جودِ او تازہ دارد ہمی مگر جودش ابرست و من کشت زار

(اس کی فیاضی سے میں تازہ دم رہتا ہوں۔ اُس کی فیاضی شاید بادل ہے اور میں کھیت ہوں۔)

پچھلے صفحہ سے آگے ۱۔

(اے بلند ہمت بادشاہ! تو کدھر جا رہا ہے؟ ہم پہاڑیوں کی ڈھلان پر گھاس ہیں اور تو ابرِ باران ہے۔)

الواحدی نے اسی قسم کی دوسری مثال درج کی ہے (دیوان ص ۳۷۳):

نحن زھر الربی وجودک غیث ھل بغیر الغیوث تورق ازھر

(ہم پہاڑیوں کے دامن میں پھول ہیں اور تیری فیاضی ہمارے لئے بادل ہے۔ کیا پھول بغیر برسات کے کھل سکتے ہیں؟۔)

اس قسم کے اشعار کے لئے مزید ملاحظہ ہو (الف) دیوان ابن الرومی۔ تصحیح سلیم ص ۸ اور (ب) بحتری: ص ۶۹ب مسالک الابصار میں۔)

[۱] لباب الالباب: ج ۲ ص ۷۔ فارسی شاعری میں بارش اور بادل کی تشبیہات عربی سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً عربی میں گرج کی آواز کو اونٹنی کے گوگرانے سے تشبیہ دیتے ہیں جو اپنے چھوٹے بچے کی موت پر بلبلاتی ہے یا اُس ماں کی نوحہ گری سے تشبیہ دیتے ہیں جو اپنے اکلوتے بچے کی وفات پر گریہ کناں ہے۔ ملاحظہ ہو رودکی (اسدی: لغات ص ۸۳۔)

زمانی برق برخندہ زمانی رعد بر نالہ چنان مادر ابر سوگ عروس سیزدہ سالہ

(کبھی تو بجلی ہنستی ہے اور کبھی بجلی کا کڑکا ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ماں اپنی تیرہ سالہ بیٹی کی وفات پر رو رہی ہے۔)

نیز شہید بھی ملاحظہ ہو (لباب ص ۴ سطر ۱۱)

ابر چون چشم ہند بن عتبہ است

(بادل ہند بن عتبہ کی آنکھوں سے آنسو رو رہا ہے۔)

ھ۔ ممدوح فیاض ہے۔ اگر شاعر کی کوششیں اس کے ہاتھوں بارآور نہیں ہوتی تو اس میں ممدوح کا کیا قصور ہے۔ یہ تو شاعر ہی کی کم نصیبی ہے۔ بحتری (وفات ۲۸۴ھ ۸۹۷ء) کہتا ہے[1]:۔

سحاب عدانی جودہ وھو ریّق وبحر خطانی فیضہ وھو مفعم

(وہ برسنے والا بادل ہے لیکن مجھ تک اس کا فیض نہیں پہنچا۔ وہ اتھاہ سمندر ہے مگر اُس کا دھارا مجھ سے دور ہے۔)

وبدر اضاء الارض شرقاً ومغرباً وموضع رحلی منہ أسود مظلم

(وہ ماہِ شبِ چہاردہم ہے جس نے مشرق اور مغرب دونوں میں اجالا کر دیا ہے حالانکہ میرے قدم کے نیچے زمین تاریک ہے)

أأشکو نداہ بعد ان وسع الوری ومن ذا یذم الغیث الّا مذمّم

(کیا میں شکایت کر سکتا ہوں جب کہ اس کی سخاوت دنیا میں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اور سوائے اُس شخص کے جو قابل ملامت ہے کون برستے ہوئے بادل کی مذمت کرے گا؟)

فردوسی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ جب سلطان کی عہد شکنی سے رنجیدہ خاطر ہوا تو اس نے محمود کے دربار میں آنا جانا بند کر دیا اور غزنہ شہر کی مسجد کی دیواروں پر اُس نے ذیل کے اشعار لکھ دیئے جو اپنے مضمون کے لحاظ سے بحتری کے مذکورہ اشعار سے ملتے جلتے ہیں:۔

---

[1] یتیمۃ، ج ۱ ص ۲۸۵، دیوان المعانی، ص ۳۲۔ بالکل یہی خیال ابو فراس نے بھی ادا کیا ہے۔ ملاحظہ ہو دیوان المعانی۔

دافعالہ للراغبین کریمۃ واموالہ للطالبین نہاب

(اُس کے مداحوں کے ساتھ اس کا سلوک اعلیٰ ہے اور مانگنے والوں کیلئے اسکے خزانے کھلے پڑے ہیں)

ولکن نیامنہ بکفی صادر واظلم فی عینی منہ شہاب

(لیکن ممدوح کی تلوار میرے ہاتھ میں کام نہیں کرتی اور اُس کا ستارہ میری نظروں میں روشن نہیں ہے)

خجستہ درگہ محمود زاولی آں دریاست چگونہ دریا کانرا کرانہ پیدا نیست

(زابُل والے محمود کا دربارِ شاہی ایک سمندر ہے۔ سمندر بھی کیسا! کہ جس کا کنارہ ناپید ہے)

چہ غوطہا زدم و اندرو ندیدم دُر گناہ بخت منست این گناہ دریا نیست

(میں نے اُس میں بڑی غوطہ زنی کی لیکن مجھے کوئی موتی ہاتھ نہیں لگا۔ یہ میرے مقدّر کا قصور ہے نہ کہ دریا کا[1])

بعض اوقات مصروفیات کی وجہ سے ممدوح شاعر کی حاجت برآری نہیں کر سکتا پھر شاعر کا کام ہے کہ اسے یاد دلائے۔ ابن الرومی (متوفی ۲۸۳ھ / ۸۹۶ء) کہتا ہے[2]:-

نذکّر بالرقاع اذا نسینا ونذکّر حین یمطلنا الکرام

(ہم رقعات نویسی کر کے یاددہانی کرتے ہیں جب ہم بھولے جاتے ہیں۔ اور جب بڑے لوگ ٹال مٹول کرتے ہیں تو ہم یاد دلاتے ہیں۔)

فانّ الامّ لم ترضع صبیا مع الاشفاق لو سکت الغلام

(کیونکہ ماں بھی بچے کو دودھ نہیں پلاتی باوجودِ شفقت مادری اگر بچہ خاموش رہے۔)

ایرانی شاعر شہید بلخی (جو رودکی سے قبل انتقال کر چکا تھا) نے اسی خیال کو حسب ذیل طریقے سے ادا کیا ہے[3]:-

گر فراموش کرد خواجہ مرا خویشتن را برقعہ دادم یاد

(اگر میرا آقا مجھے بھول گیا ہے تو میں اسے ایک خط لکھ کر اپنے متعلق یاددہانی کرتا ہوں)

کودک شیر خوارہ تا نگریست مادر او را بمہر شیر نداد

(جب تک شیر خوار بچہ نہیں روتا ماں بھی اس کو شفقت سے دودھ نہیں پلاتی۔)

۵۔ ممدوح زمانے کے مانند یا روز و شب کے مانند ہے۔ جس طرح سے زمانہ عالم پر

۱۔ ایتھے Firdausi als Lyriker ص ۴۲۶۔

۲۔ خرابات: جلد ۲ ص ۴۷

۳۔ لباب: جلد ۲ ص ۲

حاوی ہے اُسی طرح بادشاہ بھی گریز پا شاعر پر دستِ قدرت رکھتا ہے۔ وہ ہرگز بادشاہ کے عتاب سے بچ نہیں سکتا، چاہے کہیں بھی فرار اختیار کرے۔ ذیل کے اشعار نابغہ کے ہیں وہ ان اشعار میں عذر خواہی کر رہا ہے۔ وہ نعمان بن المنذر کو اپنی بے گناہی کی یقین دہانی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کے حاسدوں اور بدخواہوں نے بادشاہ کو اس کے خلاف اکسایا ہے[1]:-

فان کنت لاذوالضغن عنی مکذب　　ولاحلفی علی البراءۃ نافع

(اگر میں اپنے بدخواہوں کے الزامات کی تردید نہ کرسکوں تو اپنی بے گناہی پر میرا اعتراض اٹھانا بے کار ہے)

ولا أنا مأمون بشیئٍ أقوله　　وانت بأمر لامحالۃ واقع

(اور مجھے اپنی بات کہنے پر امان نہ ملے اور تو اپنے ارادے میں اٹل رہے۔)

فإنّك کاللیل الذی ھو مدرکی　　وإن خلتُ ان المنتأی عنک واسع

(تو پھر بے شک تو رات کے مانند ہے جو مجھے ملنے والی ہے گرچہ میں کتنا ہی خیال کروں کہ ہمارے درمیان میں بہت بڑا فاصلہ ہے۔)

اس خیال کو بحتری کے زمانے تک عرب شعراء مستقل طور پر ادا کرتے رہے ہیں۔[2]

---

[1] اہلوارت: دواوین؛ صفحات ۱۹، ۲۰؛ دیوان المعانی ص۱۶ الف؛ العمدۃ جلد ۲ ص۱۴۵

[2] حسب ذیل مثالیں العسکری کے دیوان المعانی ص۱۶ الف۔

الف۔ فرزدق (متوفی ۱۱۰ھ - ۷۲۸ء) کہتا ہے:-

فلو حملتنی الریح ثم طلبتنی　　لکنت کشیئ ادرکتہ مقادرہ

(اگر میں ہوا میں اُڑ رہا ہوتا اور تو مجھے طلب کرتا تو میں اس چیز کے مانند ہوتا جسے تقدیر آگھیرے۔)

ب۔ سلم الخاسر نے المہدی (۷۷۵ء تا ۷۸۵ء) کے سامنے اپنی بے گناہی کے بارے میں کہتا ہے:- (العمدۃ جلد ۲ ص۱۴۵)

(باقی اگلے صفحہ پر)

مسعود سعد سلمان (متوفی ۱۱۲۱ء یا ۱۱۳۱ء) نے بھی خود کو اسی طرح بری الذمہ قرار دیا ہے۔ مسعود سے سلطان ابراہیم غزنوی (۱۰۵۹ء تا ۱۰۹۹ء) ناراض ہوگیا تھا اور اسے حصین نامی ہیں

پچھلے صفحہ سے آگے:۔

وانت کالدھر مبثوثا حبائله والدھر لا ملجأ منه ولا ھرب

(تو زمانے کے مانند ہے جس کی جال پھیلی ہوئی ہے۔ زمانے سے کوئی پناہ نہیں مل سکتی اور نہ اس سے کوئی مفر ہے۔)

ولو ملکت عنان الریح اصرفها فی کل ناحیة مافاتک الطلب

(اور اگر میں ہوا پر قابو پا سکتا اور اسے جدھر چاہتا گھوماتا تب بھی تیری دسترس سے نہیں بچ سکتا تھا۔)

پہلا شعر ذیل کے شعر کا تتبع ہے جو اخطل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ (حبیب بن اوس کا کہنا ہے کہ یہ شعر شمعلہ کا ہے جو تغلبی قبیلہ کا شاعر تھا۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۱۴ رسالۃ الغفران (مخطوطہ در ملکِ پروفیسر نکلسن، جس کا ذکر جرنل آف رایل ایشیاٹک سوسائٹی کے ۱۹۰۲ کے مجلہ ص ۹۵ پر ہے۔)

وإنّ امیر المومنین وفعله کالدھر لا عار علیه بمافعل الدھر

(بے شک امیر المومنین اور اس کے کام، زمانے کے مانند ہیں۔ زمانہ جو کچھ کرتا ہے اس پر کوئی گرفت نہیں کی جاتی۔)

ج۔ علی بن جبلہ (متوفی ۸۲۸ء) نے حمید الطوسی اور ابو دلاف کی تعریف بہت بڑھ چڑھ کر کی تھی جس سے مامون الرشید ناخوش ہوگیا تھا۔ (ہواوٹ: ص ۷۷) وہ بھی اسی خیال کا اظہار کرتا ہے:۔

وما لامرئ حاولته منک مهرب ولو رفعته فی السماء مطالع

(جس کسی کے پیچھے تم پڑ جاؤ اس کے لئے کوئی فرار کی جگہ نہیں ہے گرچہ وہ آسمان تک سیڑھیوں کے سہارے سے کیوں نہ پہنچا دیا جائے۔)

(باقی اگلے صفحہ پر)

اپنے حکم سے قید کر رکھا ہے کیونکہ اس پر یہ الزام تھا کہ وہ ملکشاہ سلجوقی[۱] (۱۰۷۲ تا ۱۰۹۲ء) سے ساز باز کر رہا ہے۔ وہ عربی زبان کا بھی ماہر تھا اور اُس نے عربی اشعار کا ایک دیوان جداگانہ مرتب کیا تھا[۲]۔ اس وجہ سے ہمارے خیال کو تقویت ملتی ہے کہ اس نے یہ خیال عرب شعراء ہی سے اخذ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے[۳]:۔

کجا توان شدن از پیش چشم تو ملکا — کجا توان شدن از آفتاب واز مہتاب

(اے بادشاہ! تیری آنکھوں کے سامنے سے کہاں بھاگا جائے! سورج اور چاند سے کیسے فرار حاصل ہو سکتا ہے[۴])

پچھلے صفحہ سے آگے۔

بلی ھارب لا یھتدی لمکانہ — ظلام ولا ضوء من الصبح لامع

(ہاں! بھاگنے والے کے لئے کہیں بھی پناہ نہیں ہے۔ اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور صبح کے اُجالے کی کوئی امید نہیں ہے۔)

د۔ بحتری (متوفی ۲۸۴ھ، ۸۹۷ء) کہتا ہے:۔

ولو انّھم رکبوا الکواکب لم یکن — لمجدّھم من خوف بأسک مھرب

(اور اگر وہ ستاروں پر بھی سوار ہو جائیں تو اُن میں تیز ترین بھاگنے والا بھی تیرے عذاب سے نہیں بچ سکتا۔)

ھ۔ عبداللہ بن طاہر کہتا ہے (العمدۃ ج۲ ص۱۴۵)

وانی وان حدثت نفسی بأننی — أفوتک إنّ الرأی منی لعازب

(اور اگر میرے دل میں یہ بات آئے کہیں تجھ سے بچ سکوں گا تو میں اپنے آپ کو ناسمجھ کہوں گا۔)

لأنک لی مثل المکان المحیط بی — من الارض انی استنھضتنی المذاھب

(کیونکہ جہاں کہیں میں جاؤں تو مجھے زمین کے دائرے کے مطابق گھیرے ہوئے ہے۔)

[۱] پروفیسر براؤن؛ تاریخ ادبیات ایران ص۳۷۶۔

[۲] لباب: جلد۲ ص۲۴۶؛ اور دولت شاہ؛ تذکرہ ص۴۷۔

[۳] دیوان: ص۱۰۷۔

باقی اگلے صفحہ پر

اگر گریختہ درگہت ملک گردد　　　ہوا سراسر در گرد او شود مضراب

(اگر تیرے دربار سے بھاگنے والا فرشتہ ہو جائے تو ہوا ہیں چاروں طرف اس کا نام گونجنے لگے گا۔)

ن۔ الغرض ممدوح ایک عجیب و غریب شخصیت ہے جو سارے عالم کا خلاصہ ہے اور مادر گیتی اُس کے جیسا کبھی بھی پیدا نہ کرسکے گی۔

ابو دُھبل الجمحی جو اُموی دور کا قدیم شاعر ہے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہتا ہے[۱]:۔

عقم النساء فما یلدن شبیھہ　　　انّ النساء بمثلہ عقم

(عورتیں بانجھ ہو گئیں تاکہ ان جیسا کوئی نہ جنے بے شک ان کے مانند جننے میں عورتیں بانجھ ہوتی ہیں۔)

یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بالکل مناسب ہے لیکن اس خیال کو جیسا کہ انوری نے کہا ہے۔ ابو الحسن نامی شخص پہ چسپاں کرنا کفر و الحاد کا مترادف سمجھا جائے گا۔ انوری نے ابو دھبل کے خیال کو صرف نہیں لیا ہے بلکہ اُس "عقیم" کا لفظ بھی استعمال کیا ہے جو ایک بدترین سرقہ ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

مجدالدین بو الحسن کہ ہست عقیم　　　مادر عالم از چو او فرزند

پچھلے صفحہ سے آگے:۔

[۲] سترھویں صدی کا ایک انگریز شاعر ANDREW MARVEL (اینڈریو مارولؔ) نے اسی خیال کے مماثل اشعار کہے ہیں:۔

میں اس کی غلامی سے کیونکر چھٹکارا حاصل کروں
جو خفیہ طریقے سے اپنے فن کا اظہار کرتی ہے
اور میری سانس کی ہوا سے 'قید و بند' بناتی ہے

[۱] الوسیط: ص ۱۴۲۔

(میرا روئے سخن) مجد الدین ابو الحسن کی طرف ہے (جو ایسا ہے) کہ مادرِ گیتی اُس کے مانند بچہ پیدا نہیں کر سکتی۔

شاعری کے اِس عنوان کے تحت کئی اور عبارتیں لائی جا سکتی ہیں جو ایرانی شعراء نے عرب شعراء کی تقلید میں کہی ہیں۔ لیکن مذکورہ بالا عبارتیں مع اپنے نتائج کے کافی طور پر واضح کرتی ہیں کہ مشرق میں ایک مطلق العنان حاکم کے کیا کیا اختیارات ہوتے ہیں اور اُس سے سرکشی یا رُدگردانی کرنے کی کسی کو بھی تاب یا مجال حاصل نہیں ہے۔ ان عبارتوں سے اپنے ممدوحین کے سامنے شعراء کی بے عزتی اور رسوائی کی عکاسی ہوتی ہے۔

اب ہم پند و نصیحت والے کلام کا جائزہ لیں گے۔

(مسلسل)